مذاہبِ عالم میں اسلام کا ترجمان

ماہنامہ

مکالمہ بین المذاہب

لاہور

چیف ایڈیٹر مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی

نومبر 2023ء ۔ ربیع الثانی 1445ھ

اس شمارے میں

- یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات؟ قولِ فیصل
- بنی اسرائیل اور ریاستِ اسرائیل
- یہودی ذہنیت اور کردار

Email:almazahib@yahoo.com

دینی تعلیم، اخلاقی تربیت، سماجی خدمت کا معتبر، منفرد ادارہ

جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ کامونکے ضلع گوجرانوالہ

- قرآنی تعلیم، تبلیغ اور اخلاقی و روحانی تربیت
- اسلام کی دعوت اور باطل مذاہب کا علمی تعاقب
- ماہنامہ مکالمہ بین المذاہب اور ماہنامہ انوار الحرمین کی اشاعت
- مطالعہ مذاہب کورس کے ذریعہ علماء اور سکالرز کی تربیت
- غریب اور نادار بچوں کی تعلیم اور کفالت
- ویلفیئر ہسپتال میں نادار مریضوں کا مفت علاج

عطیات، زکوٰۃ، صدقات اور دعاؤں
کے ذریعہ تعاون اور سرپرستی کی اپیل ہے

جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ کامونکے

اکاؤنٹ نمبر: PK06ABPA0010003654280015 الائیڈ بنک جی۔ٹی روڈ کامونکے ضلع گوجرانوالہ

معاصر مذاہب اور منحرف نظریات کے تقابلی مطالعہ سے اسلام کی صداقت واضح ہوتی ہے، ڈاکٹر علامہ خالد محمود

مذاہب عالم میں اسلام کا ترجمان

ماہنامہ مکالمہ بین المذاہب لاہور

{جلد نمبر 16}	نومبر 2023ء ربیع الثانی 1445ھ	{شمارہ 5}

یہ مجلہ...... مذاہب کے درمیان مکالمہ میں

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اور ترجمانِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

کے انداز کا امین اور ان کے کردار کی روشنی میں امت کی فکری تربیت کا علمبردار ہے

چیف ایڈیٹر:

مبلغِ اسلام، مولانا عبدالرؤف فاروقی

فون: 0300-4731347

ایڈیٹر: حافظ محمد اسامہ

0300-7400678

قیمت فی شمارہ

50 روپے

پتہ برائے خط وکتابت

جامع مسجد خضراء، سمن آباد، لاہور

محمد اسامہ نے وفاق پرنٹنگ پریس 6۔اے وارث روڈ، لاہور سے چھپوا کر

مرکز تحقیق اسلامی جامعہ اسلامیہ، کاموں کے، ضلع گوجرانوالہ سے جاری کیا

{فہرست}

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
(1)	اداریہ......فلسطین، اسرائیل جنگ	5
(2)	درس قرآن......یہود و نصاریٰ کی دوستی؟	7
(3)	یہودی ریاست کے قیام کا پس منظر......سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	10
(4)	قوم یہود اور اس کے عزائم......محمد ایوب عباسی	32

☆......☆......☆

{......ناشر......}

مرکز تحقیق اسلامی......جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

کاموں کے، ضلع گوجرانوالہ، پاکستان

ویب سائیٹ:

Web:www.Jamia-islamia.com
Email: almazahib@yahoo.com
فون:0300-9405178 -- 055-6665121

قولِ فیصل مدیر اعلیٰ ''مکالمہ''

اداریہ

فلسطین، اسرائیل جنگ

ایسا لگتا ہے

حماس نے اسرائیل پر اچانک میزائل حملہ کر کے اسرائیل کے ہوش وحواس اُڑا دیئے اور پوری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ موجودہ حالات میں حماس سے اس طرح حملے کسی کے وھم وگمان میں بھی نہ تھے۔ جواب میں اسرائیل نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہا ہے۔ وہ درندگی اور سفاکی کی انتہاء ہے۔ اُس سے کسی انسانی ہمدردی اور انسانی ردعمل کی توقع نہ تھی۔ بلکہ جنہیں یہ توقع تھی۔ یا یہ توقع ہے وہ نادان ہیں۔ احمقوں کی جنت میں بستے ہیں۔ اور یہودی ذہنیت اور اس کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اسرائیل پہلے بھی ایسا ہی کرتا رہا ہے۔ اب بھی وہی کچھ کر رہا ہے۔ اور اب نہ ہوتا تو کسی وقت آگے چلے کر اُسے ایسا ہی کرنا تھا وہ اس کے لیے تیار تھا۔ موقع کی تلاش میں تھا، اب بہانہ مل گیا، یہ بہانہ نہ بھی ملتا اُسے کسی نہ کسی وقت اپنے منصوبے کے مطابق ایسا ہی کرنا تھا۔ اسرائیل اور یہودی ذھنیت وریاست سے کسی انسانی اور اخلاقی ردعمل کی توقع نہ تھی......لیکن یہ جنگ سوالیہ نشان چھوڑ رہی ہے۔

دوحصوں میں تقسیم عالمی برادری...... عالم اسلام اور عالم کفر پر...... عالم کفر پر اُٹھنے والے سوال کا جواب ہمارے پاس ہے۔ البتہ عالم اسلام پر اٹھنے والے سوال کا جواب ہمارے پاس نہیں۔

عالم کفر کی قیادت ایک عرصہ سے نصاریٰ کے پاس ہے، نصاریٰ خواہ حکمران ہوں یا مذہبی ادارہ...... صلیبی جنگوں میں اسلام کے خلاف پورا زور لگانے اور شکست کھانے کے بعد اُس نے خود جنگ میں کودنے کی بجائے۔ پس پشت رہ کر یہودیوں کو آلہ کار بنایا ہے۔ خنجر، نصاری دیتے ہیں، مسلمانوں کے قتل عام کے لیے تھپکی دیتے ہیں، اور اس پر اُجرت ادا کرتے ہیں، گویا یہودی اور

اسرائیلی ریاست۔ نصاری کی طرف سے اُجرتی قاتل ہیں، وہ جتنی درندگی سفاکی اور انسانیت سوز سلوک مسلمانوں کے ساتھ اختیار کریں گے۔اتنی ہی اُجرت زیادہ ملے گی۔

البتہ...... عالم اسلام جوڈیڑھ ارب آبادی اور ساٹھ سے زیادہ مسلم ریاستوں پر مشتمل ہے۔ افواج ہیں، دولت سے مالا مال۔ اور ایٹمی قوت وہ جو صرف ہمدردی اور جنگ بندی کے مطالبات سے آگے کوئی عملی قدم نہیں اُٹھا رہے۔ اس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ (وہ جو کہتے ہیں خاکم بدھن۔ یا اگر ایسا کہوں تو زبان جل جائے۔) ایسا لگتا ہے کہ مسلم ریاستوں کے حکمرانوں بالخصوص۔ اسرائیل اور فلسطین کے اردگرد کی ریاستوں نے سوچ لیا ہے کہ فلسطینیوں اور مسئلہ فلسطین سے جان چھڑائی جائے۔انہیں یہودیوں اور اسرائیل کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے یہ خود یا تو مرجائیں یا ارض فلسطین، خالی کر دیں۔مہاجر ہوجائیں تو ہم مہاجر کیمپ قائم کر کے انہیں ایسی خوراک دیں کہ جس سے یہ نہ مریں نہ جیئیں ۔ عالمی ادارہ خوراک اور عالمی برادری بھی مہاجر کیمپوں کے لیے امداد دے اور سلامتی کونسل بھی ہمدردی اور انسانی خدمت کا تمغہ حاصل کرے۔ فلسطینیوں کو در بدر کر کے اور ان کی نسلوں کو بھکاری بنا کر۔ یہودی وہی کچھ فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ہوتا دیکھیں جو اُن کے ساتھ روس اور جرمنی بلکہ سب بڑی طاقتوں نے کیا تھا۔

عالم اسلام ۔ کے عوام ۔ اللہ پر یقین اور جہادی جذبہ سے سرشار ہیں۔ اور وہ غزہ فلسطین پہنچ کر مظلوموں کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔لیکن مسلم ریاستوں کے حکمران اور ان کے زیر حکم پرورش پانے والی افواج۔ راستہ روکے کھڑی ہیں اگر یہ راستہ سے ہٹ جائیں تو چند دن میں اسرائیلی ریاست نیست و نابود ہوسکتی ہے۔ بیت المقدس، مسجد اقصیٰ آزاد ہوسکتی ہے اور فلسطینی مسلمانوں پر چھائی ظلم کی یہ رات، صبح آزادی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔لیکن

اِک حرف کاش کہ است کہ ہر جانوشتہ ایم

فریاد۔ صرف، اللہ کے حضور ہے، لیکن وہ بھی تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ دانا و بینا ہے۔ کوئی

راستہ نکالے۔ تو بات بن جائے۔ عبدالرؤف فاروقی

روشنی ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

درس قرآن مجید تفسیر: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ضبط و ترتیب: اسامہ حقانی

یہود اور نصاریٰ کی دوستی سے دور رہو

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۃ المائدہ:۵۱)

ترجمہ آیات:

☆ اے ایمان والو، مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست۔ (۱)

☆ وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے۔ (۲)

☆ اور جو کوئی تم میں دوستی کرے ان سے، تو وہ انہی میں ہے۔ (۳)

☆ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔ (۴)

تفسیری نکات

(۱) اولیاء، ولی کی جمع ہے، ولی، دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی، غرض

یہ ہے کہ ''یہود و نصاریٰ'' بلکہ تمام کفار سے (جیسا کہ سورۂ نساء میں تصریح کی گئی ہے) مسلمان، دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات، مروت و حسن سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل وانصاف۔ یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔

اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد و پیمان۔ مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔

''وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' (الانفال:٦١)

عدل وانصاف کا حکم جیسا کہ گزشتہ آیات سے معلوم ہو چکا۔ مسلم و کافر، ہر فرد بشر کے حق میں ہے۔ مروت اور حسن سلوک یا رواداری کا برتاؤ اُن کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں۔ جیسا کہ ''سورۃ ممتحنہ'' میں تصریح ہے۔ باقی ''موالاۃ'' یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت و معاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو ''اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً'' کے تحت میں داخل ہو اور عام تعاون جس کا مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے اُس کی اجازت ہے۔

بعض خلفائے راشدین سے اس بارہ میں جو غیر معمولی تشدید و تضییق منقول ہے اس کو محض سد ذرائع اور مزید احتیاط پر مبنی سمجھنا چاہیے۔

(۲) یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھ سکتے ہیں۔ (بلکہ یہودی، نصرانی کا اور نصرانی، یہودی کا دوست بن سکتا ہے) اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ ''الکفر ملۃ واحدۃ''

(۳) یعنی (یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست سمجھنے والا مسلمان) اُن ہی کے زمرہ میں شامل ہے۔

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود کے ساتھ اس کا بہت دوستانہ تھا۔ اُس کا گمان یہ تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت مغلوب ہو گئی تو یہود سے ہماری یہ دوستی کام آئے گی۔ تو فی الحقیقت یہود کے ساتھ منافقین کی

موالات کا اصل منشاء یہ تھا کہ یہود، جماعت اسلام کے مدمقابل اور مذہب اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ظاہر ہے کہ جو شخص یہود و نصاریٰ یا کسی جماعت کفار کے ساتھ اس نیت اور حیثیت سے موالات کرے کہ وہ دشمن اسلام ہے اس کے کفر میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔منافقین میں کچھ لوگ اور بھی تھے جنہوں نے جنگ اُحد میں لڑائی کا پانسہ بدلا ہوا دیکھا تو کہنا شروع کیا تھا کہ ہم تو اب فلاں یہودی یا فلاں نصرانی سے دوستانہ گانٹھیں گے اور ضرورت پیش آنے پر اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں گے۔اس قماش کے لوگوں کی نسبت بھی۔

"ومن یتولھم منکم فانہ فنھم"

کا ظاہر مدلول علانیہ صادق آتا ہے۔رہے وہ مسلمان جو اس قسم کی نیت اور منشاء سے خالی ہو کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، چونکہ ان کی نسبت بھی قوی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کفار کی حد سے زیادہ ہم نشینی اور اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ اُن ہی کا مذہب اختیار کر لیں یا کم از کم شعائر کفار اور رسوم شرکیہ سے کارہ اور نفور (ناپسند اور نفرت کرنے والے) نہ رہیں۔اس اعتبار سے "فانہ منہم" کا اطلاق اُن کے حق میں بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ حدیث "المرأمع من احب" (آدمی اُس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا ہے) نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے۔

☆☆☆

حالیہ......فلسطین اسرائیل جنگ کے تناظر میں ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور اُن کی حفاظت و کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے۔ اسرائیل اور اُس کی پشت پناھی کرنے والوں کے ساتھ دلی نفرت کرے۔اور کفار کے ساتھ موالات یعنی دلی دوستی سے دور رہے اور اگر اس سے پہلے اُس کے دل میں کفار کے ساتھ دوستی کا کوئی جذبہ تھا تو اس گناہ سے توبہ کرے۔

(ادارہ مکالمہ)

نشر مکرر

یہودی ریاست کے قیام کا پس منظر

تحریر: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

یہودی عزائم کی تاریخ

بیت المقدس اور فلسطین کے متعلق آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تقریباً تیرہ سو برس قبل مسیح میں بنی اسرائیل اس علاقے میں داخل ہوئے تھے اور دو صدیوں کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر اس پر قابض ہو گئے تھے۔ وہ اس سرزمین کے اصل باشندے نہیں تھے۔ قدیم باشندے دوسرے لوگ تھے جن کے قبائل اور اقوام کے نام خود بائیبل میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور بائیبل ہی کی تصریحات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان قوموں کا قتل عام کر کے اس سرزمین پر اسی طرح قبضہ کیا تھا جس طرح فرنگیوں نے سرخ ہندیوں (Red Indians) کو فنا کر کے امریکہ پر قبضہ کیا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا نے یہ ملک ان کی میراث میں دے دیا ہے، اس لیے انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس کے اصل باشندوں کو بے دخل کر کے بلکہ ان کی نسل کو مٹا کر اس پر قابض ہو جائیں۔

اس کے بعد آٹھویں صدی قبل مسیح میں اسیریا نے شمالی فلسطین پر قبضہ کر کے اسرائیلیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو لا بسایا جو زیادہ تر عربی النسل تھیں۔ پھر چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے جنوبی فلسطین پر قبضہ کر کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل سلیمانی (Temple of Solomon) کو جسے دسویں صدی قبل مسیح میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا تھا، اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ قائم نہ رہی۔ ایک طویل مدت کی جلاوطنی کے بعد ایرانیوں کے دور حکومت میں

یہودیوں کو پھر سے جنوبی فلسطین میں آ کر آباد ہونے کا موقع ملا اور انہوں نے بیت المقدس میں دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی۔ لیکن یہ دوسرا وقفہ بھی تین چار سو برس سے زیادہ دراز نہ ہوا۔ ۷۰ء میں یہودیوں نے اسی سلطنت کے خلاف بغاوت کی جس کی پاداش میں بیت المقدس کے شہر اور ہیکل سلیمانی کو بالکل مسمار کر دیا گیا، اور پھر ایک دوسری بغاوت کو کچل کر ۱۳۵ء میں رومیوں نے پورے فسلطین سے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔ اس دوسرے اخراج کے بعد جنوبی فلسطین میں بھی اسی طرح عربی النسل قبائل آباد ہو گئے جس طرح شمالی فلسطین میں وہ آٹھ سو برس پہلے آباد ہوئے تھے۔ اسلام کی آمد سے پہلے یہ پورا علاقہ عربی قوموں سے آباد تھا۔ بیت المقدس میں یہودیوں کا داخلہ تک رومیوں نے ممنوع کر رکھا تھا اور فلسطین میں بھی یہودی آبادی قریب قریب بالکل ناپید تھی۔

اس تاریخ سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ:

۱۔ یہودی ابتداءً نسل کشی (GENOCIDE) کے مرتکب ہو کر فلسطین پر زبردستی قابض ہوئے تھے۔

۲۔ شمالی فلسطین میں صرف چار پانچ سو برس تک آباد رہے۔

۳۔ جنوبی فلسطین میں ان کے قیام کی مدت زیادہ سے زیادہ آٹھ نو سو برس رہی۔

۴۔ اور عرب شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال سے اور جنوبی فلسطین میں تقریباً دو ہزار سال سے آباد چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں کا آج بھی یہ دعویٰ ہے کہ فلسطین ان کے باپ دادا کی میراث ہے جو خدا نے انہیں عطا فرمائی ہے اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس میراث کو بزور حاصل کر کے اس علاقے کے قدیم باشندوں کو اسی طرح نکال باہر کریں اور خود ان کی جگہ بس جائیں جس طرح تیرہ سو برس قبل مسیح میں انہوں نے کیا تھا۔

دو ہزار برس سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ یہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت

المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈرامہ کھیلا جاتا رہا ہے کہ ہم مصر سے کسی طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح سے آباد ہوئے اور کیسے بابل والے ہم کو لے گئے اور ہم کس طرح فلسطین سے نکالے گئے اور تتر بتر ہوئے۔اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے دماغ میں یہ بات ۲۰ صدیوں سے بٹھائی جارہی ہے کہ فلسطین تمہارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمہارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو پھر تعمیر کرو۔ بارھویں صدی عیسوی کے مشہور یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون (MAIMONIDES) نے اپنی کتاب قانون یہود(THE CODE OF JEWISH LAW) میں صاف صاف لکھا ہے کہ ہر یہودی نسل کا یہ فرض ہے کہ وہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کو از سر نو تعمیر کرے۔مشہور فری میسن تحریک(FREE MASON MOVEMENT) بھی جس کے متعلق ہمارے ملک کے اخبارات میں قریب قریب سارے ہی حقائق اب شائع ہو چکے ہیں، اصلاً ایک یہودی تحریک ہے اور اس میں بھی ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کو مقصود قرار دیا گیا ہے بلکہ پوری فری میسن تحریک کا مرکزی تصور یہی ہے اور تمام فری میسن لاجوں میں اس کا باقاعدہ ڈراما ہوتا ہے کہ کس طرح سے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنا ہے۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ میں آگ لگنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔صدیوں سے یہودی قوم کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرے،اور اب بیت المقدس پر ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے اس نصب العین کو پورا کرنے سے باز رہ جائیں۔

یہودیوں کی احسان فراموشی

آگے بڑھنے سے پہلے میں ایک بات کی اور وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ہیکل سلیمانی کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسے ۷۰ء میں بالکل مسمار کر دیا گیا تھا اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب بیت المقدس فتح ہوا اس وقت یہاں یہودیوں کا کوئی معبد نہ تھا بلکہ کھنڈر پڑے

ہوئے تھے۔اس لیے مسجد اقصیٰ اور قبۂ صخرہ کی تعمیر کے بارے میں کوئی یہودی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ ان کے کسی معبد کو توڑ کر مسلمانوں نے یہ مساجد بنائی تھیں۔ یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ رومیوں کے زمانے میں فلسطین یہودیوں سے خالی کرالیا گیا تھا اور بیت المقدس میں تو ان کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔ یہ مسلمانوں کی شرافت کہ انہوں نے پھر انہیں وہاں رہنے اور بسنے کی اجازت دی۔تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ پچھلی تیرہ چودہ صدیوں میں یہودیوں کو اگر کہیں امن نصیب ہوا ہے تو وہ صرف مسلمان ملک تھے، ورنہ دنیا کے ہر حصے میں جہاں بھی عیسائیوں کی حکومت رہی وہاں وہ ظلم وستم کا نشانہ ہی بنتے رہے۔ یہودیوں کے اپنے مؤرخین اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی تاریخ کا سب سے زیادہ شاندار دور وہ تھا جب وہ اندلس میں مسلمانوں کی رعایا کی حیثیت سے آباد تھے۔یہ دیوار گریہ جس کو آج یہودی اپنی سب سے بڑی مقدس یادگار سمجھتے ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں ہی کی عنایت سے انہیں ملی تھی۔بمبئی سے اسرائیل حکومت کا ایک سرکاری بلیٹن NEWS FROM ISREAL شائع ہوتا ہے۔اس کی یکم جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیوار گریہ پہلے ملبے اور کوڑے کرکٹ میں دبی ہوئی تھی اور اس کا کوئی نشان تک لوگوں کو معلوم نہ تھا۔سولہویں صدی عیسوی میں سلطان سلیم عثمانی کو اتفاقاً اس کے وجود کا علم ہوا اور اس نے اس جگہ کو صاف کرا کے یہودیوں کو اس کی زیارت کی اجازت عطا کی۔لیکن یہودی ایک ایسی احسان فراموش قوم ہے کہ وہ مسلمانوں کی شرافت اور فیاضی اور حسن سلوک کا بدلہ آج اس شکل میں ان کو دے رہی ہے۔

یہودیوں کی منصوبہ بندی

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ ان ظالموں نے کس طرح باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لیے کام کیا ہے۔سب سے پہلے ان کے ہاں ایک تحریک شروع ہوئی کہ مختلف علاقوں سے یہودی ہجرت کر کے فلسطین میں جا کر آباد ہوں اور وہاں زمینیں خریدنی شروع کریں۔چنانچہ ۱۸۸۰ء سے اس مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی

یورپ سے یہودی خاندان وہاں منتقل ہونے لگے اس کے بعد مشہور یہودی لیڈر تھیوڈور ہرتزل (HARTZL) نے ۱۸۹۷ء میں صہیونی تحریک (MOVEMENT) (ZIONIST) کا باقاعدہ آغاز کیا اور اس میں اس بات کو مقصود قرار دیا گیا کہ فلسطین پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا جائے اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی جائے۔ یہودی سرمایہ داروں نے اس غرض کے لیے بڑے پیمانے پر مالی امداد فراہم کی کہ فلسطین منتقل ہونیوالے یہودی خاندان وہاں زمینیں خریدیں اور منظم طریقے سے اپنی بستیاں بسائیں۔ پھر ۱۹۰۱ء میں ہرتزل نے سلطان عبدالحمید خاں (سلطان ترکی) کو باقاعدہ یہ پیغام بھجوایا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں، آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دیں۔ مگر سلطان عبدالحمید نے اس پیغام پر تھوک دیا اور صاف کہہ دیا کہ ''جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ترکی سلطنت موجود ہے اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے۔ تمہاری ساری دولت پر میں تھوکتا ہوں۔'' جس شخص کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا گیا تھا اس کا نام حاخام قرہ صوآفندی تھا۔ یہ سالونیکا کا یہودی باشندہ تھا اور ان یہودی خاندانوں میں سے تھا جو اسپین سے نکالے جانے کے بعد ترکی میں آباد ہوئے تھے۔ ترکی رعایا ہونے کے باوجود اس نے یہ جرات کی کہ سلطان ترکی کے دربار میں پہنچ کر فلسطین کو یہودیوں کے حوالہ کرنے کا مطالبہ پیش کردے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ سلطان عبدالحمید خان کا جواب سن کر ہرتزل کی طرف سے ان کو صاف صاف دھمکی دے دی گئی کہ تم اس کا برا نتیجہ دیکھو گے۔ چنانچہ اس کے بعد فوراً ہی سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع ہوگئیں جن میں فری میسن، دونمہ[1] اور وہ مسلمان نوجوان شریک تھے جو مغربی تعلیم کے زیر اثر آ کر ترکی قوم پرستی کے علمبردار بن گئے تھے۔ ان لوگوں نے ترکی فوج میں اپنے اثرات پھیلائے اور سات سال کے اندر ان کی سازشیں پختہ ہوکر اس منزل پر پہنچ گئیں کہ سلطان عبدالحمید کو معزول کردیں۔ اس موقع پر جو انتہائی عبرتناک واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا

---

[1] یہ وہ یہودی تھے جنہوں نے ریاکارانہ اسلام قبول کررکھا تھا۔ ترک ان کو دونمہ کہتے ہیں۔

کہ ۱۹۰۸ء میں جو تین آدمی سلطان کی معزولی کا پروانہ لے کر ان کے پاس گئے تھے ان میں دو ترک تھے اور تیسرا وہی حاخام قرہ صوآ فندی تھا جس کے ہاتھ ہرتزل نے فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ سلطان کے پاس بھیجا تھا۔ مسلمانوں کی بے غیرتی کا اس سے اندازہ کیجیے کہ اپنے سلطان کی معزولی کا پروانہ بھیجتے بھی ہیں تو ایک ایسے یہودی کے ہاتھ جو سات ہی برس پہلے اسی سلطان کے پاس فلسطین کی حوالگی کا مطالبہ لے کر گیا تھا اور اس سے سخت جواب سن کر آیا تھا۔ ذرا تصور کیجیے کہ سلطان کے دل پر کیا گزری ہوگی جب وہی یہودی ان کی معزول کا پروانہ لیے ہوئے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

بین الاقوامی صورت حال

ترکی اور عربی قوم پرستی کا تصادم

اسی زمانے میں ایک دوسری سازش بھی زور شور سے چل رہی تھی جس کا مقصد ترکی سلطنت کے ٹکڑے اڑانا تھا اور اس سازش میں بھی مغربی سیاست کاروں کے ساتھ ساتھ یہودی دماغ ابتداء سے کارفرما رہا۔ ایک طرف ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کی بنا اسلامی اخوت کے بجائے ترکی قوم پرستی پر رکھیں، حالانکہ ترکی سلطنت میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب اور کُرد اور دوسری نسلوں کے مسلمان بھی تھے۔ ایسی سلطنت کو صرف ترکی قوم کی سلطنت قرار دینے کے صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمانوں کی ہمدردیاں اس کی ساتھ ختم ہو جائیں۔ دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کی جد جہد کریں۔ عربوں میں اس عرب قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے، بیروت اس کا مرکز تھا، اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں

تک بھڑکایا گیا کہ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے رفیق ہونے کے بجائے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔

جنگ عظیم اول اور اعلان بالفور

پہلی جنگ عظیم میں ابتداءً یہودیوں نے حکومت جرمنی سے معاملہ کرنا چاہا تھا جرمنی میں اس وقت یہودیوں کا اتنا ہی زور تھا جتنا آج امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ انہوں نے قیصر ولیم سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنوادے گا۔لیکن جس وجہ سے یہودی اس پر یہ اعتماد نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ایسا کرے گا۔ وہ یہ تھی کہ ترکی حکومت اس وقت جنگ میں جرمنی کی حلیف تھی۔ یہودیوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ قیصر ولیم ہم سے یہ وعدہ پورا کر سکے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر وائز مین آگے بڑھا اور انگلستان کی حکومت کو یقین دلایا کہ جنگ میں تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور تمام دنیا کے یہودیوں کا دماغ اور ان کی ساری قوت و قابلیت انگلستان اور فرانس کے ساتھ آ سکتی ہے اگر آپ ہم کو یہ یقین دلا دیں کہ آپ فتح یاب ہو کر فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنا دیں گے۔ ڈاکٹر وائز مین ہی اس وقت یہودیوں کے قومی وطن کی تحریک کا علمبردار تھا۔ آخر کار اس نے ۱۹۱۷ء میں انگریزی حکومت سے وہ مشہور پروانہ حاصل کیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ انگریزوں کی بد دیانتی کا شاہکار ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم عربوں کی ایک خود مختار ریاست بنائیں گے اور اس غرض کے لیے انہوں نے شریف حسین کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین اور عراق اور شام پر انگلستان کا قبضہ کرا دیا تھا۔ دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ یہ تحریر دے رہے تھے کہ ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔ یہ اتنی بری بے ایمانی تھی کہ جب تک انگریزی قوم دنیا میں موجود ہے وہ اپنی تاریخ پر سے اس کلنک کے ٹیکے کو نہ مٹا سکے گی۔ پھر ذرا غور کیجیے کہ فلسطین کو یہود کا قومی وطن بنانے کے آخر معنی کیا تھے؟ کیا فلسطین کوئی خالی پڑی ہوئی زمین تھی جس پر کسی قوم کو آباد کر دینے کا وعدہ کیا جا

رہا تھا؟ وہاں دو ڈھائی ہزار برس سے ایک قوم آباد چلی آ رہی تھی۔ اعلان بالفور کے وقت وہاں یہودیوں کی آبادی پوری ۵ فیصد بھی نہ تھی۔ ایسے ملک کے متعلق سلطنت برطانیہ کا وزیر خارجہ یہ تحریری وعدہ دے رہا تھا کہ ایک قوم کے وطن میں ایک دوسری قوم کا وطن بنایا جائے گا جو دنیا بھر میں ۱۹ سو برس سے بکھری ہوئی تھی۔ اس کا صاف مطلب گویا یہ وعدہ کرنا تھا کہ ہم تمہیں موقع دیں گے کہ عربوں کے جس وطن پر ہم نے خود عربوں کی مدد سے قبضہ کیا ہے اس سے تم انہی عربوں کو نکال باہر کرو اور ان کی جگہ دنیا کے گوشے گوشے سے اپنے افراد کو لا کر بسا دو۔ یہ ایک ایسا ظلم تھا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس زخم پر نمک پاشی یہ ہے کہ لارڈ بالفور نے اپنے اس خط کے متعلق اپنی ڈائری میں یہ الفاظ لکھے تھے:۔

> ”ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صیہونیت ہمارے لیے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصّبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو اس قدیم سرزمین میں اس وقت آباد ہیں۔“

بالفور کی ڈائری کے یہ الفاظ آج بھی برطانوی پالیسی کی دستاویزات (DOCUMENTS OF BRITISH POLICY) کی جلد سوم میں ثبت ہیں۔

مجلس اقوام کی کارگزاری

فلسطین پر انگریزوں کے قبضے اور لارڈ بالفور کے اعلان سے یہودیوں کے طویل المیعاد منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔ ۱۸۸۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۷ء تک اس مرحلے کی تکمیل میں ۳۷ سال صرف ہوئے۔ اس کے بعد اس منصوبے کا دوسرا دور شروع ہوا جس میں مجلس اقوام (LEAGUE OF NATION) اور اس کی اصل کارفرما دو بڑی طاقتوں، برطانیہ اور فرانس نے بالکل اس طرح کام کیا گویا وہ آزاد سلطنتیں نہیں ہیں بلکہ محض صہیونی تحریک کی ایجنٹ ہیں۔

۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کو انگریزوں کے انتداب (MONDATE) میں دے دیا جائے۔ا۔ اس موقع پر فلسطین میں جو مردم شماری کرائی گئی تھی اس میں مسلمان عرب ۶۶۰۶۴۱، عیسائی عرب ۱۴۴۶۴ ۱۷، اور یہودی ۸۲۷۹۰ تھے اور یہودیوں کی اتنی آبادی بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ دھڑا دھڑ وہاں جا کر آباد ہو رہے تھے۔۲۔ اس پر بھی مجلس اقوام نے برطانیہ کو انتداب کا پروانہ دیتے ہوئے پوری بے شرمی کے ساتھ یہ ہدایت کی کہ اس کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لیے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے، صہیونی تنظیم کو سرکاری طور پر باقاعدہ تسلیم کر کے اسے نظم ونسق میں شریک کرے اور اس کے مشورے اور تعاون سے یہودی قومی وطن کی تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔ اس کے ساتھ وہاں کے قدیم اور اصل باشندوں کے لیے صرف اتنی ہدایت پر اکتفا کیا گیا کہ ان کے مذہبی اور مدنی (CIVIL) حقوق کا تحفظ کیا جائے، سیاسی حقوق کا اس میں سرے سے کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ تھا اس مجلس اقوام کا انصاف جسے دنیا میں امن قائم کرنے کا نام لے کر وجود میں لایا گیا تھا۔ اس نے یہودیوں کو باہر سے لا کر بسائے جانے والوں کو تو سیاسی اقتدار میں شریک کر دیا، اور ملک کے اصل باشندوں کو اس کا مستحق بھی نہ سمجھا کہ ان کے سیاسی حقوق کا برائے نام بھی تذکرہ کر دیا جاتا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی بڑی حکومتوں اور مجلس اقوام میں یہودیوں نے کتنے اثرات پیدا کر لیے تھے جن کی بدولت فلسطین کو انگریزوں کے انتداب میں دیتے ہوئے یہ ہدایات جاری کی گئی تھیں۔

انگریزی انتداب کا کارنامہ

یہ انتداب حاصل کرنے کے بعد یہودیوں کو فلسطین میں لا کر بسانے کا باقاعدہ سلسلہ شروع

ا۔ انتداب کا مطلب یہ ہے کہ ایک حکومت بطور خود کسی ملک کی فرمانروائی نہیں کر رہی ہے بلکہ مجلس اقوام کی طرف سے اس کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ وہاں خاص شرائط کے تحت فرمانروائی کرے۔

۲۔ ۱۹۱۷ء میں یہودی آبادی صرف ۵۶ ہزار تھی۔ پانچ سال کے اندر وہ بڑھ کر ۸۳ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔

کر دیا گیا۔فلسطین کا پہلا برطانوی ہائی کمشنر سر ہر برٹ سمویل خوع ایک یہودی تھا۔صہیونی تنظیم کو عملاً حکومت کے نظم ونسق میں شریک کیا گیا اوراس کے سپر د نہ صرف تعلیم اور زراعت کے محکمے کیے گئے بلکہ بیرونی ممالک سے لوگوں کے داخلے، سفر اور قومیت کے معاملات بھی اس کے حوالے کر دیے گئے۔ایسے قوانین بنائے گئے جن کے ذریعہ سے باہر کے یہودیوں کوفلسطین میں آ کر زمینیں حاصل کرنے کی پوری سہولتوں سے بھی نوازا گیا۔عربوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے اور ٹیکسوں کے بقایا پر ہر بہانے عدالتوں نے زمینیں ضبط کرنے کی ڈگریاں دینی شروع کر دیں ضبط شدہ زمینیں یہودیوں کے ہاتھ فروخت کی گئیں اور سرکاری زمینوں کے بھی بڑے بڑے رقبے یہودی نو آبادکاروں کو کہیں مفت اور کہیں برائے نام پٹے پر دے دیے گئے۔بعض مقامات پر کسی نہ کسی بہانے پورے پورے گاؤں صاف کر دیے گئے اور وہاں یہودی بستیاں بسائی گئیں۔ایک علاقے میں تو ۸ ہزار عرب کاشتکاروں اور زراعتی کارکنوں کو ۵۰ ہزار ایکڑ زمین سے حکماً بے دخل کر دیا گیا اوران کو فی کس ۳ پونڈ دس شلنگ دے کر چلتا کر دیا گیا۔ان تدبیروں سے ۱۷ سال کے اندر یہودی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں وہ ۸۲ ہزار سے کچھ زائد تھے۔۱۹۳۹ء میں ان کی تعداد ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریز فلسطین میں صرف صہیونیت کی خدمت سر انجام دیتے رہے اوران کے ضمیر نے ایک دن بھی ان کو یہ احساس نہ دلایا کہ کسی ملک کی حکومت پر اس کے اصل باشندوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کی نگہداشت کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

جنگ عظیم دوم کے زمانے میں معاملہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا۔ہٹلر کے مظالم سے بھاگنے والے یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشا فلسطین میں داخل ہونے لگے۔صہیونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک کے اندر گھسانا شروع کیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کر کے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان

کی جگہ بسانے میں سفاکی کی حد کردی۔ انگریزی انتداب کی ناک کے نیچے یہودیوں کو ہر طرح ہتھیار پہنچ رہے تھے اور وہ عربوں پر چھاپے مار رہے تھے مگر قانون صرف عربوں کے لیے تھا جو انہیں ہتھیار رکھنے اور ظلم کے جواب میں مدافعت کرنے سے روک رہا تھا۔ البتہ برطانوی حکومت جان بچا کر بھاگنے والے عربوں کو نقل مکانی کی سہولتیں فراہم کرنے میں بڑی فراخ دل تھی۔ اس طرح ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ۳۰ سال کے اندر یہودی منصوبے کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا جس میں وہ اس قابل ہوگئے کہ فلسطین کو ''قومی وطن'' بنانے کے بجائے ان کی ''قومی ریاست'' قائم کردیں۔

یہودیوں کا آئندہ لائحہ عمل

''قومی وطن'' سے ''قومی ریاست'' تک

۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کردیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) نے صہیونیت کی جو خدمت ہمارے سپرد کی تھی وہ ہم انجام دے چکے ہیں۔ اب آگے کا کام اس آنجہانی مجلس کی نئی جانشین اقوام متحدہ انجام دے۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ یہ دوسری مجلس جو دنیا میں امن و انصاف کے قیام کی علمبردار بن کر اٹھی تھی، اس نے فلسطین میں کیا انصاف قائم کیا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کردیا۔ یہ فیصلہ ہوا کس طرح؟ اس کے حق میں ۳۳ ووٹ اور اس کے خلاف ۱۳ ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ یہ کم سے کم اکثریت تھی جس سے جنرل اسمبلی میں کوئی ریزولیوشن پاس ہوسکتا تھا۔ چند روز پہلے تک اس تجویز کے حق میں اتنی اکثریت بھی نہ تھی۔ صرف ۳۰ ملک اس کے حق میں تھے۔ آخر کار امریکہ نے غیر معمولی دباؤ ڈال کر ہائیٹی، فلپائن اور لائبیریا کو مجبور کرکے اس کی تائید کرائی۔ یہ بات خود امریکن کانگریس کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ یہ تین

ووٹ زبرستی حاصل کیے گئے تھے، اور جیمز فوریسٹائل (FORRESTAL) اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ ''اس معاملہ میں دوسری قوموں پر دباؤ ڈالنے اور ان کو ووٹ دینے پر مجبور کرنے کے لیے جو طریقے استعمال کیے گئے وہ شرمناک کارروائی (SCANDAL) کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔''

تقسیم کی جو تجویز ان ہتھکنڈوں سے پاس کرائی گئی اس کی رو سے فلسطین کا ۵۵ فی صدی رقبہ، ۳۳ فی صدی یہودی آبادی کو، اور ۴۵ فی صدی رقبہ ۶۷ فی صدی عرب آبادی کو دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف ۶ فی صدی یہودیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف:

لیکن یہودی اس بندر بانٹ سے بھی راضی نہ ہوئے اور انہوں نے مار دھاڑ کر کے عربوں کو نکالنا اور ملک کے زیادہ سے زیادہ حصے پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں جو مظالم عربوں پر کیے گئے، آرنلڈ ٹائن بی ان کے متعلق اپنی کتاب (A STUDY OF HISTORY) میں کہتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی ان مظالم سے کم نہ تھے جو نازیوں نے خود یہودیوں پر کیے تھے۔ دیر یاسین میں ۹/ اپریل ۱۹۴۸ء کے قتل عام کا خاص طور پر اس نے ذکر کیا ہے جس میں عرب عورتوں، بچوں اور مردوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا گیا، عرب عورتوں اور لڑکیوں کا برہنہ جلوس سڑکوں پر نکالا گیا اور یہودی موٹروں پر لاؤڈ سپیکر لگا کر جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھرے کہ ''ہم نے دیر یاسین کی عرب آبادی کے ساتھ یہ اور یہ کیا ہے، اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی یہ کچھ ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔'' ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ کیا یہ کسی ایسی قوم کا کارنامہ ہو سکتا ہے جس میں رمق برابر بھی شرافت و انسانیت موجود ہو؟

ان حالات کے دوران میں ۱۴/ مئی ۱۹۴۸ء کو عین اس وقت جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی فلسطین کے مسئلے پر بحث کر رہی تھی، یہودی ایجنسی نے رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا، اور سب سے پہلے امریکہ اور روس نے آگے بڑھ کر اس کو تسلیم کیا، حالانکہ اس وقت تک اقوام متحدہ نے یہودیوں کو فلسطین میں اپنی قومی ریاست قائم کرنے کا مجاز نہ کیا تھا۔ اس

اعلان کے وقت تک ۶ لاکھ سے زیادہ عرب گھر سے بے گھر کیے جا چکے تھے، اور اقوام متحدہ کی تجویز کے بالکل خلاف یروشلم (بیت المقدس) کے آدھے سے زیادہ حصے پر اسرائیل قبضہ کر چکا تھا۔

ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان ہونے کے بعد گرد و پیش کی عرب ریاستوں نے بے سہارا عرب آبادی کو مار دھاڑ اور لوٹ مار سے بچانے کے لیے مداخلت کی اور ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں لیکن یہودی اس وقت تک اتنے طاقت ور ہو چکے تھے کہ یہ سب ریاستیں مل کر بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ بلکہ جب نومبر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے جنگ بندی کا فیصلہ کیا اس وقت فلسطین کے رقبے کا ۷۷ فیصدی سے بھی کچھ زیادہ حصہ یہودیوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہودیوں کو اتنی جنگی طاقت کس نے فراہم کر کے دی تھی کہ پانچ عرب ریاستوں کی متحدہ طاقت بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکی؟ اس طاقت کے فراہم کرنے میں سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام دونوں شریک تھے، اور سب سے زیادہ ہتھیار اس جنگ کے لیے چیکوسلواکیا سے آئے تھے جو آج خود ظلم وستم کا شکار ہے۔ اقوام متحدہ میں بھی جو بحثیں اس زمانے میں ہوئیں ان کا ریکارڈ شاہد ہے کہ یہودیوں کی حمایت اور عربوں کی مخالفت میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام، دونوں کے علمبردار ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، اور یہ کہنا مشکل تھا کہ ان میں کون یہودیوں کا زیادہ حامی ہے۔

یہودی منصوبے کا تیسرا مرحلہ

اس کے بعد یہودی منصوبے کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا جو ۱۹ سال کے اندر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں بیت المقدس اور پورے باقی ماندہ فلسطین اور پورے جزیرہ نمائے سینا اور سرحد شام کی بالائی پہاڑیوں پر اسرائیل کے قبضے سے تکمیل کو پہنچا۔ نومبر ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کا رقبہ ۷۹۹۳ مربع میل تھا۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اس کے اندر ۲۷ ہزار مربع میل کا اضافہ ہو گیا اور ۱۴۔۱۵ لاکھ عرب، یہودیوں کے غلام بن گئے۔ اس مرحلے میں اسرائیل کے منصوبے کی کامیابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر امریکہ اس کا حامی و مددگار اور پشت پناہ بنا رہا...... برطانیہ اور فرانس

اور دوسرے مغربی ممالک بھی اپنی اپنی حد تک اس کی تائید وحمایت کا پورا حق ادا کرتے رہے۔ روس اور اس کا مشرقی بلاک بھی کم از کم ۱۹۵۵ء تک علانیہ اس کا حامی رہا اور بعد میں اس نے اگر اپنی پالیسی بدلی بھی تو وہ عرب ملکوں کے لیے مفید ہونے کے بجائے اسرائیل ہی کے لیے مفید ثابت ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں جب عرب ممالک اس سے بالکل مایوس ہو گئے کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے ان کو اسرائیل کے مقابلے اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار مل سکیں گے تو انہیں مجبوراً اشتراکی بلاک کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس بلاک کے ملکوں نے اس لالچ میں ان کو ہتھیار دینے شروع کیے کہ اس طرح انہیں عرب ممالک میں اشتراکیت پھیلانے اور ان کو اپنے دائرہ اثر میں لانے کا موقع مل جائے گا۔ اس کے نتیجے میں یہ تو نہ ہو سکا کہ عرب ممالک اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے، البتہ یہ ضرور ہوا کہ روس کو مصر و شام سے یمن تک اور عراق سے الجزائر تک اپنے اثرات پھیلانے کا موقع حاصل ہو گیا اور عرب ملکوں میں رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی کشمکش اتنی بڑھی کہ اسرائیل سے نمٹنے کے بجائے وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے۔

۱۹/ برس کی اس مدت میں امریکہ نے اسرائیل کو ایک ارب ۶۰ کروڑ ڈالر کی مالی امداد دی۔ مغربی جرمنی سے اس کو ۸۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کا تاوان دلوایا گیا۔ اور دنیا بھر کے یہودیوں نے دو ارب ڈالر سے زیادہ چندے دے کر اس کی مالی پوزیشن مضبوط کی۔ جنگی حیثیت سے اس کو زفرق تا بقدم اس قدر مسلح کر دیا گیا کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی امریکی ماہرین کا یہ اندازہ تھا کہ وہ صرف چار پانچ دن کے اندر اپنے گردوپیش کی تمام عرب ریاستوں کو پیٹ لے گا۔ سیاسی حیثیت سے ہر موقع پر امریکہ اور اس کے ساتھی اس کی پشت پناہی کرتے رہے اور انہی کی حمایت کی وجہ سے اقوام متحدہ اس کی پے در پے زیادتیوں کا کوئی تدارک نہ کر سکی۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اقوام متحدہ کی ۲۸ ریزولیوشن وہ اس کے منہ پر مار چکا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء سے نومبر ۱۹۶۶ء تک ۷ مرتبہ اقوام متحدہ نے اس کے خلاف مذمت کی قراردادیں پاس کیں مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کی

بے باکی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد جب جنرل اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا اس وقت اسرائیل کے وزیر اعظم لیوی اشکول نے علی الاعلان یہ کہا کہ ''اگر اقوام متحدہ کے ۱۲۲ ممبروں میں سے ۱۲۱ بھی فیصلہ دے دیں اور تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی ہمارے حق میں رہ جائے، تب بھی ہم اپنے مفتوحہ علاقوں سے نہ نکلیں گے۔'' یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کی حمایت کے بل پر اسرائیل تمام دنیا کی رائے کو ٹھوکر پر مارتا ہے اور اقوام متحدہ اس کے مقابلے میں قطعی بے بس ہے۔

امریکہ کی دلچسپی اسرائیل کی ساتھ کتنی بڑھی ہوئی ہے، اس کو جاننے کے لیے آپ ذرا اس رویے پر ایک نگاہ ڈال لیں جو جون ۱۹۶۷ء کے موقع پر اس نے اختیار کیا تھا۔ جنگ سے ایک ہفتہ پہلے امریکی فوج کے جائنٹ چیفس آف اسٹاف کے صدر جنرل وہیلر نے صدر جانسن کو اطمنان دلایا تھا کہ اگر اسرائیل بڑھ کر پہلے ایک کامیاب ہوائی حملہ کر دے تو پھر زیادہ سے زیادہ تین چار دن کے اندر وہ عربوں کو مار لے گا۔ لیکن اس رپورٹ پر بھی جانس صاحب پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے اور انہوں نے سی آئی اے کے چیف رچرڈ ہیلمس (HELMS) سے رپورٹ طلب کی۔ جب اس نے بھی وہیلر کے اندازوں کی توثیق کر دی تو جانسن صاحب نے روس سے رجوع کر کے یہ اطمینان حاصل کیا کہ وہ عربوں کی مدد کے لیے عملاً کوئی مداخلت نہ کرے گا۔ اس کے بعد کہیں جا کر اسرائیل پر ''وحی'' [ا] نازل ہوئی کہ اب عرب ملکوں پر حملہ کر دینے کا مناسب موقع آ گیا ہے۔ اس پر بھی امریکہ کا چھٹا بحری بیڑہ مصر و اسرائیل کے سواحل کے قریب اپنی پوری طاقت کے ساتھ مستعد کھڑا تھا تا کہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔

انگریزوں کی اسرائیل نوازی کا حال یہ تھا کہ ان کا ایک طیارہ بردار بحری جہاز مالٹا میں اور دوسرا عدن میں ایک منٹ کے نوٹس پر اسرائیل کی مدد کو حرکت کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ جنگ کے بعد

ا۔ اس لفظ پر چونکیے نہیں۔ شیاطین بھی اپنے اولیاء پر ''وحی'' کیا کرتے تھے۔

لنڈن سنڈے ٹائمز نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا(THE HOLY WAR-JUNE 67) اس کا جو باب بیت المقدس پر یہودی قبضے کے بیان میں ہے اس کا عنوان رکھا گیا ہے BACK AFTER 896YEARS یعنی ۸۹۶ برس کے بعد واپسی۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ۸۹۶ سال پہلے بیت المقدس پر سے صلیبی عیسائیوں کا قبضہ اٹھا تھا نہ کہ یہودیوں کا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ انگریزوں کی ہمدردی میں صلیبی جذبہ کام کر رہا تھا اور اس لڑائی کو وہ صلیبی جنگوں ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔

روس کی عرب دوستی کا حال بھی یہ تھا کہ جس صبح کو مصر کے ہوائی اڈوں پر اسرائیل کا حملہ ہونے والا تھا اسی کی رات کو روس نے صدر ناصر کو اطمینان دلایا تھا کہ کوئی حملہ ہونے والا نہیں ہے۔ یہ ویسی ہی یقین دہانی تھی جیسی ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہم کو کرائی گئی تھی کہ ہندوستان بین الاقوامی سرحد پار نہ کرے گا۔ عربوں کے ساتھ روس کے رویے پر یوگوسلاویہ کے ایک ڈپلومیٹ کا یہ تبصرہ بڑا سبق آموز ہے کہ ”ایک بڑی طاقت جب تمہارا ساتھ چھوڑتی ہے تو وہ تم کو پیراشوٹ کے بغیر ہوائی جہاز سے گرا دیتی ہے۔“

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے یہودیوں کا تیسرا منصوبہ بھی کامیاب ہو گیا اور بیت المقدس سمیت پورا فلسطین جزیرہ نمائے سینا سمیت ان کے ہاتھ آ گیا۔

یہودیوں کا چوتھا منصوبہ

اب درحقیقت جس چیز سے دنیائے اسلام کو سابقہ درپیش ہے وہ یہودیوں کا چوتھا اور آخری منصوبہ ہے جس کے لیے وہ دو ہزار سال سے بے تاب تھے اور جس کی خاطر وہ ۹۰ سال سے باقاعدہ ایک اسکیم کے مطابق کام کرتے رہے ہیں۔

اس منصوبے کے اہم ترین اجزاء دو ہیں۔ وہ یہ کہ مسجد اقصیٰ اور صخرہ کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی پھر سے تعمیر کیا جائے، کیونکہ اس کی تعمیر ان دونوں مقامات مقدسہ کو ڈھائے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس پورے علاقے پر قبضہ کیا جائے جسے اسرائیل اپنی میراث سمجھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس

منصوبے کے ان دونوں اجزاء کو ہر مسلمان اچھی طرح سمجھ لے۔

جہاں تک پہلے جزء کا تعلق ہے اسرائیل اسے عملی جامہ پہنانے پر اسی وقت قادر ہو چکا تھا جب بیت المقدس پر اس کا قبضہ ہوا تھا۔لیکن دو وجوہ سے وہ اب تک اس کام میں تامل کرتا رہا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اسے اور اس کے سرپرست امریکہ کو دنیائے اسلام کے شاید ردعمل کا اندیشہ ہے۔ دوسرے یہ کہ خود یہودیوں کے اندر مذہبی بنیاد پر اس مسئلے میں اختلاف برپا ہے۔ان کے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہیکل کی تعمیر نو مسیح ہی آ کر کرے گا۔ جب تک وہ نہ آ جائے ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔ا؎ یہ ان کے قدامت پسند گروہ کا خیال ہے۔دوسرا گروہ جو شدت پسند ہے، اور جس کے ہاتھ میں دراصل اس وقت اسرائیل کے اقتدار کی باگیں ہیں، کہتا ہے کہ قدیم بیت المقدس اور دیوار گریہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد ہم دور مسیحائی MESSIANICERA میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہی بات یہودی فوج کے چیف ربی نے تورات ہاتھ میں لے کر اس روز کہہ دی تھی جب بیت المقدس کی فتح کے بعد وہ دیوار گریہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے کہ ''آج ہم ملت یہود کے لیے دور مسیحائی میں داخل ہو رہے ہیں۔'' انہی دو وجوہ سے مسجد اقصیٰ کو یک لخت ڈھا دینے کے بجائے تمہید کے طور پر اس کو آگ لگائی گئی ہے تاکہ ایک طرف دنیائے اسلام کا ردعمل دیکھ لیا جائے اور دوسری طرف یہودی قوم کو آخری کارروائی کے لیے بتدریج تیار کیا جائے۔

دوسرا جز اس منصوبے کا یہ ہے کہ ''میراث کے ملک'' پر قبضہ کیا جاے۔ یہ میراث کا ملک کیا ہے؟

''اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔'' ۲؎

ا؎ واضح رہے کہ مسلمان اور عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح مانتے ہیں، مگر یہودی ان کا انکار کرتے ہیں اور وہ ابھی تک مسیح موعود (PROMISED MESSIAN) کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا یہ مسیح موعود وہی ہے جسے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسیح دجال قرار دیا ہے۔

۲؎ جس طرح ہماری فوج کے ساتھ پیش امام ہوتے ہیں اسی طرح یہودی فوج کے ساتھ ربی ہوتے ہیں، اور ان کے چیف ربی کو اسرائیلی فوج میں بریگیڈیئر جنرل کا رینک حاصل ہے۔

دنیا میں صرف ایک اسرائیل ہی ایسا ملک ہے جس نے کھلم کھلا دوسری قوموں کے ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ عین اپنی پارلیمنٹ کی عمارت پر ثبت کر رکھا ہے۔ کسی دوسرے ملک نے اس طرح علانیہ اپنی جارحیت کے ارادوں کا اظہار نہیں کیا ہے۔ اس منصوبے کی جو تفصیل صہیونی تحریک کے شائع کردہ نقشے میں دی گئی ہے اس کی رو سے اسرائیل جن علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ان میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ٹرکی کا جنوبی علاقہ، اور جگر تھام کر سنیے کہ مدینہ منورہ تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔ اگر دنیائے عرب اسی طرح کمزور رہی جیسی آج ہے اور خدانخواستہ دنیائے اسلام کا ردعمل بھی مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی پر کچھ زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوسکا، تو پھر خاکم بدہن ہمیں وہ دن بھی دیکھا پڑے گا جب یہ دشمنان اسلام اپنی ان ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے لیے پیش قدمی کر بیٹھیں۔

پس چہ باید کرد؟

اتنی تفصیل میں نے اس لیے بیان کی ہے کہ پیش نظر مسئلے کی پوری نوعیت نزاکت اور اہمیت اچھی طرح سمجھ لی جائے، جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، اس سے چند باتیں بخوبی واضح ہوجاتی ہیں۔

اول یہ کہ یہودی آج تک اپنے منصوبوں میں اس بنا پر کامیاب ہوتے رہے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں ان کی حامی و مددگار بنی رہی ہیں اور ان کی اس روش میں آئندہ بھی کسی تغیر کے امکانات نظر نہیں آتے۔ خصوصاً امریکہ کی پشت پناہی جب تک اسے حاصل ہے وہ کسی بڑے سے بڑے جرم کے ارتکاب سے بھی باز نہیں رہ سکتا۔

دوم یہ کہ اشتراکی بلاک سے کوئی امید وابستہ کرنا بالکل غلط ہے۔ وہ اسرائیل کا ہاتھ پکڑنے کے لیے قطعاً کوئی خطرہ مول نہ لے گا۔ زیادہ سے زیادہ آپ اس سے ہتھیار لے سکتے ہیں، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اشتراکیت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالیں اور اسلام کو دیس نکالا دے دیں۔

سوم یہ کہ اقوام متحدہ ریزولیشن پاس کرنے سے بڑھ کر کچھ نہیں کرسکتی۔ اس میں یہ دم خم نہیں ہے کہ اسرائیل کو کسی مجرمانہ اقدام سے روک سکے۔

چہارم یہ کہ عرب ممالک کی طاقتیں اسرائیل کا مقابلہ کرنے کے لیے قطعی ناکافی ہے۔ پچھلے ۲۲ سال کے تجربات نے یہ بات پوری طرح ثابت کردی ہے۔

ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد نہ صرف مسجد اقصیٰ، بلکہ مدینہ منورہ کو بھی آنے والے خطرات سے بچانے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی طاقت اس یہودی خطرے کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے مقامات مقدسہ کو مستقل طور پر محفوظ کردینے کے لیے مجتمع کی جائے۔ اب تک یہ غلطی کی گئی ہے کہ فلسطین کے مسئلے کو ایک عرب مسئلہ بنائے رکھا گیا۔ دنیا کے مسلمان ایک مدت سے کہتے رہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ ہے مگر بعض عرب لیڈروں کو اس پر اصرار رہا کہ نہیں، یہ محض ایک عرب مسئلہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مسجد اقصیٰ کے سانحہ سے ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ صہیونیت کی عظیم الاقوامی سازش کا مقابلہ، جبکہ دنیا کی بڑی طاقتوں کی پوری تائید وحمایت بھی اس کو حاصل ہے، تنہا عربوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔ دنیا میں اگر ایک کروڑ ۶۰ لاکھ یہودی ایک طاقت ہیں تو ۵۰۔۵۷ کروڑ مسلمان بھی ایک طاقت ہیں اور ان کی ۳۰۔۳۲ حکومتیں اس وقت انڈونیشیا سے مراکو اور مغربی افریقہ تک موجود ہیں ان سب کے سربراہ اگر سر جوڑ کر بیٹھیں، اور روئے زمین کے ہر گوشے میں بسنے والے مسلمان ان کی پشت پر جان ومال کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جائیں تو اس مسئلے کو حل کرلینا کچھ زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں جو عالمی کانفرنس بھی ہو اس کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اصل مسئلہ محض مسجد اقصیٰ کی حفاظت کا نہیں ہے۔ مسجد اقصیٰ محفوظ نہیں ہوسکتی جب تک بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے اور خود بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہوسکتا جب تک فلسطین پر یہودی قابض

ہیں۔‘‘اس لیے اصل مسئلہ فلسطین کو یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرانے کا ہے۔ اور اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ اعلان بالفور سے پہلے جو یہودی فلسطین میں آباد تھے صرف وہی وہاں رہنے کا حق رکھتے ہیں۔ باقی جتنے یہودی ۱۹۱۷ء کے بعد سے اب تک وہاں باہر سے آئے اور لائے گئے ہیں انہیں واپس جانا چاہیے۔ ان لوگوں نے سازش و جبر وظلم کے ذریعہ سے ایک دوسری قوم کے وطن کو زبردستی اپنا قومی وطن بنایا، پھر اسے قومی ریاست میں تبدیل کیا، اور اس کے بعد توسیع جارحانہ منصوبے بنا کر آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا نہ صرف عملاً ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا، بلکہ اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر علانیہ یہ لکھ دیا کہ کس کس ملک کو وہ اپنی اس جارحیت کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایک ایسی کھلی کھلی جارح ریاست کا وجود بجائے خود ایک جرم اور بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ ہے اور عالم اسلامی کے لیے اس سے بھی بڑھ کر وہ اس بنا پر خطرہ ہے کہ اس کے ان جارحانہ ارادوں کا ہدف مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ہیں۔ اب اس ریاست کا وجود برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو ختم ہونا چاہیے۔ فلسطین کے اصل باشندوں کی ایک جمہوری ریاست بننی چاہیے۔ جس میں ملک کے پرانے یہودی باشندوں کو بھی عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح شہری حقوق حاصل ہوں۔ اور باہر سے آئے ہوئے ان غاصبوں کو نکل جانا چاہیے جو زبردستی اس ملک کو قومی وطن اور قومی ریاست بنانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اس کے سوا فلسطین کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ رہا امریکہ، جو اپنا ضمیر یہودیوں کے ہاتھ رہن رکھ کر، اور تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ان غاصبوں کی حمایت کر رہا ہے، تو اب وقت آ گیا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان اس کو صاف صاف خبردار کر دیں کہ اس کی یہ روش اگر اسی طرح جاری رہی تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی وہ ایسا نہ پائے گا جس کے دل میں اس کے لیے کوئی ادنیٰ درجہ کا بھی جذبہ خیر سگالی باقی رہ جائے۔ اب خود وہ فیصلہ کر لے کہ اسے یہودیوں کی حمایت میں کہاں تک جانا ہے۔(۱۸۶)

یہودیوں کا مسلمانوں کے ساتھ رویہ

مسلمانوں نے اپنے اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی گرد کو بھی وہ لوگ کبھی نہ پہنچ سکے جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ یورپ کی قوموں نے افریقہ، امریکہ، ایشیا اور خود یورپ میں مغلوب قوموں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دور میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے، جس نے مسلمانوں میں اتنی انسانیت پیدا کر دی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پا کر اتنے ظالم نہ بن سکے جتنے غیر مسلم تاریخ کے ہر دور میں ظالم پائے گئے اور آج تک پائے جا رہے ہیں۔ کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو خود دیکھ لے کہ اسپین میں جب مسلمان صدیوں حکمران رہے۔ اس وقت عیسائیوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا اور جب عیسائی وہاں غالب آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس کے طویل زمانۂ حکومت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اب ہندو غالب آ جانے کے بعد ان سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے ساتھ پچھلے تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا رویہ کیا رہا اور اب فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ ہے۔ (۱۸۷)

خاتمہ ءبحث

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ‏ وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡـكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَ لِيۡمًا‏۔

(النساء۔ آیات۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱)

ترجمہ: ’’غرض ان یہودی بن جانے والوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر، اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں

منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں، اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

یعنی وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ خود اللہ کے راستے سے منحرف ہیں، بلکہ اس قدر بیباک مجرم بن چکے ہیں کہ:

دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو تحریک بھی اٹھتی ہے، اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کام کرتا نظر آتا ہے۔ اور راہ حق کی طرف بلانے کے لیے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اکثر اس کے مقابلے میں یہودی ہی سب سے بڑھ کر مزاحم بنتے ہیں، آنحالیکہ یہ کمبخت کتاب اللہ کے حامل اور انبیاء کے وارث ہیں۔ ان کا تازہ ترین جرم یہ اشتراکی تحریک ہے جسے یہودی دماغ نے اختراع کیا اور یہودی رہنمائی ہی نے اسے پروان چڑھایا۔ ان نام نہاد اہل کتاب کے نصیب میں یہ جرم بھی مقدر تھا کہ دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جو نظام زندگی اور نظام حکومت خدا کے صریح انکار پر خدا سے کھلم کھلا دشمنی پر خدا پرستی کو مٹا دینے کے علی الاعلان عزم وارادہ پر تعمیر کیا گیا اس کے موجد ومخترع اور بانی و سربراہ کار موسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا ہوں۔

اشتراکیت پر تعمیر کے بعد زمانۂ جدید میں گمراہی کا دوسرا بڑا استون فرائڈ کا فلسفہ ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی کا ایک فرد ہے۔ (۱۸۸)

☆☆☆

یہ دونوں مضامین، نشر مکرر کے طور پر پیش قارئین ہیں۔ فلسطین کی مقدس سرزمین پر یہود قابض ہیں اور فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ عالم کفر اپنی جنگ یہودیوں کے ذریعے لڑ رہا ہے۔ مسلم ریاستیں میں اسلامی سربراہی کانفرنس (او۔آئی۔سی) ہے عرب لیگ ہے جب یہ الفاظ لکھے جا رہے ہیں اب تک نہ عرب لیگ کا سربراہی اجلاس ہوا نہ او۔آئی۔سی کا۔ اس پر کیا کہا جا سکتا ہے مسئلہ کی تفہیم کے لیے یہ مضامین دوبارہ شائع کیے جا رہے ہیں۔

نشرِ مکرر

قوم یہود اور اس کے عزائم

تحریر: ریٹائرڈ فلائٹ لیفٹیننٹ
جناب محمد ایوب عباسی

تاریخی پس منظر

قرآن کی رو سے سب مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ قرآن مجید میں ایک پوری سورت نبی اسرائیل موجود ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے دس لڑکے دوسری بیویوں سے تھے جبکہ یوسف علیہ السلام اور بن یامین ایک ہی ماں سے تھے۔ آپس میں بھائیوں کے حسد کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو دس بھائیوں نے جو کہ سوتیلے تھے کنوئیں میں ڈال دیا ایک قافلے کا اُدھر سے گذر ہوا۔ جو کہ مصر کی طرف جا رہا تھا انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکال کر مصر میں جا کر عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہاں پر طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے رہے آخر کار بادشاہ وقت نے ان کو نہایت ہی اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا۔ پھر جب مصر اور آس پاس کے علاقے قحط کی لپیٹ میں آ گئے تو جن بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں ڈالا تھا غلہ لینے کی خاطر مصر میں پہنچے۔ بھائی تو یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے مگر یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔ ایک خاص حکمت عملی کے تحت اپنے سگے بھائی کو پاس رکھ لیا۔ بہر حال دو چکر لگانے کے بعد جب بھائی آئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں ہوں یوسف علیہ السلام۔ یہ میرا کرتہ لے جائیں اور باپ کے چہرہ پر ڈال دیں اور انشاء اللہ بینائی لوٹ آئے گی اور سب خاندان کو لے کر ہمارے پاس آ جائیں۔ اس طرح یعقوب علیہ السلام بمعہ اہل وعیال مصر میں منتقل ہو گے۔ یہاں پر کوئی چار سو سال تک بنی اسرائیل رہے اور خوب پھلے پھولے۔ فرعون جو اس وقت مصر پر حکومت کرتا تھا۔ اس نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ بچوں کو قتل کراتا اور عورتوں کو غلام بنا لیتا تھا۔ اسی زمانے میں موسیٰ علیہ السلام

پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی کے تحت فرعون کے محل میں پرورش پائی۔ بڑے ہوتے ہیں۔تو ایک قبطی ان کے ہاتھ سے قتل ہوتا ہے۔ بھاگ کر مدائن کا رخ کرتے ہیں۔وہاں پر حضرت شعیب کی لڑکی سے نکاح ہوتا ہے کچھ عرصہ بعد واپس مصر کا ارادہ کرتے ہیں۔کوہ طور پر اللہ تعالیٰ ان کو دو معجزے عطا کرتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ جاؤ اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کو چھڑاؤ۔اور ساتھ ہارون نبی کو بھی رکھو۔وہاں جا کر جادوگروں سے مقابلہ ہوتا ہے۔فرعون میں زیادہ اکڑ پیدا ہوتی ہے۔اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ رات کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلو۔فرعون تعاقب میں بمعہ فوج روانہ ہوتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام بمعہ بنی اسرائیل سمندر پار کرتے ہیں مگر فرعون بمعہ فوج سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔اس کی ممی آج بھی قاہرہ کے میوزیم میں بطور عبرت موجود ہے کہ شاید آنے والی نسلیں سبق سیکھیں۔اب جب بنی اسرائیل صحراء سینا میں اُترے اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر طلب کیا تاکہ احکام الٰہی دیئے جائیں۔ پیچھے سے اس قوم نے ایک بچھڑا بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔موسیٰ علیہ السلام جب احکام الٰہی لے کر آئے تو حالات دیکھ کر سخت غصہ میں کہتے ہیں کہ توحید پرست بنو نہ کہ بت پرست۔اب موسیٰ علیہ السلام جب قوم کو کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ فلسطین میں جاؤ۔مگر قوم نے کہا کہ وہاں پر سخت جابر قسم کی قوم آباد ہے۔اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو پھر جب فتح حاصل ہوگی ہم بھی آجاویں گے۔اب اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی سرزمین بنی اسرائیل کے لیے چالیس سال تک حرام کر دی۔ یہ قوم اس عرصہ میں صحرا میں بھٹکتی رہی۔مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر کھانے کے لیے من وسلویٰ اُتارا اور گرمی سے بچنے کے لیے ابر کا سایہ کئے رکھا۔اسی عرصہ میں موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔اس عرصہ کے بعد یہ قوم فلسطین میں داخل ہوئی۔وہاں پر مختلف قومیں آباد تھیں۔جن میں بت پرستی اور اخلاقی گراوٹ کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔تورات میں بتایا گیا تھا کہ تم ان قوموں سے ملک چھین لینا۔بداخلاقی سے پرہیز کرنا۔مگر یہ قوم بدستور بداخلاقی اور بت پرستی میں گرتی گئی۔ ہر قبیلے نے اپنی اپنی ریاست قائم کر لی اور بدستور کمزور ہوتے چلے گئے۔آخر کار ایک متحدہ ریاست قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔متحدہ ریاست کے تین فرمانبردار تھے۔

۱۔	طالوت	۱۰۲۰ق م سے ۱۰۰۶ق م تک
۲۔	حضرت داؤد علیہ السلام	۱۰۰۴ق م سے ۹۶۵ق م تک
۳۔	حضرت سلیمان علیہ السلام	۹۶۵ق م سے ۹۲۶ق م تک

اسی دوران حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل سلیمانی تعمیر کرایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر پھر دنیا پرستی کا غلبہ ہوا۔ اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، پھر دو سلطنتیں قائم کیں۔ سلطنت اسرائیل جس کا پایہ تخت سامریا تھا شمالی فلسطین میں قائم ہوئی۔ سلطنت یہودیہ جس کا پایہ تخت یروشلم تھا۔ جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی۔ یہیں سے قوم یہود کی بنیاد بھی پڑی اسرائیلی ریاست میں اخلاقی گراوٹ اس حد تک بڑھ گئی کہ پیغمبروں کی تنبیہ بھی کام نہ کر سکی۔ آخر کار اسرائیلی ریاست کا خاتمہ ہوا اور قوم تتر بتر ہو گئی۔ ۷۲۱ ق م میں جنوبی ریاست یہودیہ بھی بداخلاقی اور اور بدکرداری میں برابر گرتی گئی آخر کار بخت نصر نے ۵۹۸ ق م میں حملہ کر کے اس سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہیکل کو تباہ کیا اور یہودیوں کو قید کر کے بابل شہر لے گیا۔ یہاں بھی یہ قوم بداخلاق کاموں سے باز نہ آئی یہاں پر دو فرشتے انسانی شکل میں رہتے تھے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا۔ یہودی ان سے جادو سیکھتے تھے کہ کس طرح میاں بیوی میں جدائی ڈالی جاوے۔ حالانکہ جادو کرنا کافروں کا کام ہے، بہرحال اسی اسیری کے دوران ان کے علماء نے تالمود مرتب کی۔ حضرت عزیر علیہ السلام اور علماء کی مدد سے تورات بھی لکھی گئی۔ ۵۳۹ ق م میں ایرانی بادشاہ سائرس نے ان کو واپس یروشلم جانے کی اجازت دی اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا ۱۵۰ سال بعد یروشلم کی رونق لوٹ آئی۔ ۱۹۸ ق م میں یونانیوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اور یونانی کلچر کو خوب فروغ دیا۔ ہیکل میں بت رکھے۔ قربانیوں اور یوم السبت کا سلسلہ بند کر دیا یہودیوں نے ایک بغاوت کی جس کا نام مکابی بغاوت تھا۔ اس بغاوت کی وجہ سے یونانیوں کو فلسطین چھوڑنا پڑا۔ یہودی ریاست ۶۷ ق م تک قائم رہی۔ اس کے بعد مکابیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور یہ تحریک دم توڑ گئی۔ اب یہ لوگ آپس میں لڑنے لگ پڑے۔ ایک پارٹی نے اُٹھ کر رومی جنرل پومپئی کو فلسطین میں آنے کی دعوت دی اس نے آ کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا ۶۳ ق م میں۔ اور ۴۰ ق م میں ہیرڈ نامی آدمی کو گورنر مقرر کیا

اس زمانے میں رومی کلچر کو خوب فروغ ملا اسی زمانے میں ہیرڈ کے بیٹے کے حکم سے اور ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے رقاصہ کو پیش کیا گیا۔ مگر یہودی بالکل خاموش رہے پیغمبروں کا قتل یہودیوں کے خون میں رچا بسا تھا۔ آج بھی دنیا بھر میں پولیٹیکل قتل، نامی گرامی لوگوں کے ہو رہے ہیں۔ ان میں یہودیوں کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ ۴۱ق م میں اخلاقی گراوٹ حد کو چھونے لگی اور یہودیوں ہی کی سازش سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی سزا سنائی گئی یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔

۶۴ء اور ۶۶ء کے درمیان یہودیوں نے بغاوت کر دی آخر کار روم کے ایک جنرل Titus نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ڈیڑھ لاکھ یہودی قتل ہوئے باقی دنیا بھر میں بکھیر دئے گئے ہیکل کو ملیا میٹ کر دیا صرف ایک دیوار رہ گئی تھی جس کو دیوار گریہ کہتے ہیں غالباً یہی وہ وقت تھا جب یہودی خیبر اور مدینہ منورہ میں آ کر آباد ہوئے ان کی دو کتابیں ہیں ایک تورات اور دوسری تالمود۔ تورات کو تو ثواب کے طور پر پڑھا جاتا ہے اور تالمود ان کا قانون ہے جس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ تالمود میں عیسائیوں کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔

تالمود کی چیدہ چیدہ باتیں

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر طرح طرح کے الزامات۔

(۲) صلیب پہنے ہوئے عیسائی کو مت سلام کرو۔

(۳) عیسائی بت پرست ہیں سڑک پر ان کے دہنے ہاتھ چلو۔

(۴) ان کی مذہبی کتابیں جلا دو اور چرچ کے نزدیک مت جاؤ۔

(۵) یہودی اپنا مقدمہ صرف یہودی جج کے پاس لے جائے۔

(۶) یہودی اپنا علاج عیسائی ڈاکٹر سے مت کرائے نہ ہی یہودی دایہ عیسائی بچے کو پالے۔

(۷) کاروبار میں عیسائی کو دھوکہ دو اور ان کو نقصان دینے کی کوشش کرو۔

(۸) بیمار عیسائی کی مذمت کرو اور اگر کوئی کنوئیں میں گرا ہے تو مت اس کو نکالو۔

(۹) اگر حاملہ عورت لیبر Pain میں ہے تو اس کی مت مدد کرو۔

(۱۰) عیسائی جو یہودی قانون پڑھے اس کو قتل کردو۔

(۱۱) یہودی اگر عیسائی مذہب اختیار کرے اس کو قتل کردو۔

(۱۲) یہودی جس عیسائی گھر میں ملازم ہے اس کو چاہیے مالک کی بیوی سے غیر اخلاقی تعلقات قائم کرے اور بچوں سے لوطی عمل جاری رکھو۔

(۱۳) سودی کاروبار میں دھوکہ دو۔

(۱۴) یہودی اگر عیسائی کو قتل کردے تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے۔

یہ ہیں یہودیوں کے عیسائیوں کے متعلق تالمود کے چیدہ چیدہ احکامات یہودی یہ مانتے ہیں کہ سپین میں مسلمانوں کی حکومت کے متعلق کہ اگر ہمیں کوئی سکون محسوس ہوا تھا تو وہ مسلمانوں کے دور حکومت میں سپین میں ملا تھا مگر اس کا بدلہ میں اب یہودی فلسطین میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہتے ہیں اور مسلمان گہری نیند سو رہے ہیں۔

یہودی پروٹوکول

۱۸۹۷ء میں چیدہ چیدہ یہودی بزرگوں اور سیانے لوگوں نے مختلف مجلیس منعقد کیں۔ ایک فائنل پیپر تیار کیا کہ کس طرح دنیا پر یہودیوں کو حکومت کرنی چاہیے، یہ دستاویز ایک قسم کی minutas of meetings ہے جو کہ سویزرلینڈ میں بیٹھ کر مرتب کئے گئے اور پھر وہاں سے ہی کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ جس کا نام Protocoh ہے۔ اس میں کل چوبیس((24 پروٹوکول ہیں۔ ہر پروٹوکول میں دنیا پر حکمرانی کرنے کا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے تھیوڈر ہرزل جو کہ آسٹریا کا باشندہ تھا یہ اسی کے دماغ کی اُڑان ہے اس نے پروٹوکول مرتب کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ دراصل ہرزل نے ہی ساری مجلیس منعقد کرائیں اور مجلسوں کا پریذیڈنٹ بھی رہا۔

یہودی اس کو اپنا مسیحا مانتے ہیں۔ یہودیوں نے اس کی ہڈیاں آسٹریا سے قبر سے نکال کر یروشلم میں پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیں۔ تھیوڈر نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ میں نے آج

یہودی سلطنت کی بنیاد ڈال دی ۔ ۱۸۹۸ء میں ہرزل سب سے پہلے جرمنی کے قیصر کو ملا۔ پھر ناکامی کے بعد ترکی کے سلطان کو ملا کہ کسی طرح فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام میں مدد ملے۔ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار سلطنت برطانیہ کے لارڈ راتھ چائلڈ کو ۱۹۰۲ء میں ملا اس وقت برطانیہ پوری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اس لیے برطانیہ کے بالفور نے اعلان کیا کہ یہودیوں کے لیے الگ ملک فلسطین میں ہوگا۔ یہودی قوم نہایت ظالم۔ چالاک اور سازشی قوم ہے۔ اس قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں عیسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا ''تم لوگ ایک سفید قبر کی طرح ہو جو باہر سے سفید اور خوبصورت ہے مگر اندر سے گناہ گاروں کی ہڈیوں سے بھری پڑی ہے۔ (Mathew 23:27) امریکن صدر جارج واشنگٹن نے (۱۷۸۹ء) کہا کہ یہودی ہمارے خلاف سو گنا خطرناک ہیں اور دشمن کی فوج سے بھی زیادہ ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں۔ بنجمن فرینکلن نے فرمایا ''یہودی امریکہ کے لیے سخت خطرہ ہیں۔ یہ لوگ جہاں جاتے ہیں سٹیٹ کے اندر ایک سٹیٹ بنا لیتے ہیں جب ان پر سختی کی جاتی ہے تو ملک کو اقتصادی طور پر کمزور کر دیتے ہیں جیسا کہ سپین اور پرتگال کے ساتھ ہوا۔ ان کو اگر الگ ایک ملک دے دیا جائے تو وہاں بہت کم لوگ رہیں سے۔ کیونکہ یہ Vampire کی طرح ہیں۔ اور اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اگر قانونی طور پر نہ نکالے گئے تو اس ملک میں بہت زیادہ داخل ہو جائیں گے اور ہماری حکومت کو تبدیل کر دیں گے اگر دو سو سال تک رہے تو ہمارے بچے کھیتوں میں کام کرتے ہوں گے اور یہ لوگ بیٹھے رقم گنتے ہوں گے۔ چیتا کبھی بھی اپنے Spots تبدیل نہیں کرے گا۔ کیا آجکل امریکہ میں امریکیوں کی حکومت ہے یا کہ یہودیوں کی۔ مندرجہ بالا قول کسی مسلمان کے نہیں ہیں۔ بلکہ عیسائیوں کے ہیں۔ اس قوم میں ہر عمل جائز ہے۔ جس میں یہودیوں کو فائدہ ہو۔ یہودی دعوے کرتے ہیں کہ ہائم سلمان نے امریکہ کی جنگ آزادی میں روپے پیسے سے مدد کی اور بات بھی صحیح ہے یہ شخص لارڈ راتھ چائلڈ کا نمائندہ تھا اس نے دونوں طرف کی فوجوں کی مدد کی۔ یہی ان کا طریقہ واردات ہے دونوں طرف کی مدد کرو میدان جنگ کو گرم رکھو کون جیتے کون ہارے ان کی بلا سے نفع تو بر حال یہودیوں کا ہے۔

یہودیوں کے چیدہ چیدہ کارنامے

ایک جرمن جنرل کی بیوی مسز لوڈن رف نے مقدمے کی ایک کاروائی میں کہا کہ لیوب اینڈ کمپنی نے جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر کو ساڑھے تین لاکھ ڈالر دئے تھے کیونکہ ان کو نظر آ رہا تھا کہ ہٹلر ضرور جنگ کی بھٹی گرمائے گا اور اپنی شکست کا بدلہ لے گا پھر یہودیوں کے وارے نیارے ہوں گے۔ مگر یہودیوں کے گندے کرتوت جب جرمنی میں ظاہر ہونے شروع ہوئے تو پھر ہٹلر نے جرمنی سے یہودیوں کی صفائی کا کام شروع کر دیا۔ کافی تعداد میں یہودی قتل ہوئے مگر چونکہ میڈیا پر ان کا کنٹرول ہے تو یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودی مروائے یہ صرف اور صرف ان کا پراپیگنڈہ تھا تا کہ اپنے آپ کو مظلوم ثابت کر سکیں۔ یہ سزا ہٹلر نے ان کو ان کے گندے کرتوتوں کی وجہ سے دی۔ کیونکہ جہاں بھی جاتے ہیں۔ اقتصادیات پر قبضہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سوسائٹی میں فحاشی، عریانی، گندی فلمیں، گندے رسالے چھاپنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میڈیا اور فلم انڈسٹری بھی اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔

جرمن قوم کا دعویٰ تھا کہ وہ دنیا کی بہترین قوم ہیں اس لیے یہودیوں نے جرمن نسل کو اخلاقی طور پر بگاڑنے کی کوشش کی۔ اس لیے خوب مار کھائی۔ یہودیوں کا پراپیگنڈہ کہ ہٹلر نے ۶۰ لاکھ یہودی قتل کرائے اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایک جرمن آرٹسٹ زنڈل جس نے کینیڈا کی قومیت اپنائی تھی نے مکمل دستاویزات کے ساتھ ثابت کیا کہ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کہ اتنے یہودی قتل ہوئے۔ امریکہ کی طرح کینیڈا میں چونکہ میڈیا پر یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ یہودیوں کا واویلا رنگ لایا زنڈل پر مقدمہ چلا اور ۱۹۸۵ء میں اس کو ۱۵ ماہ کی جیل ہوئی اور کینیڈا کی قومیت ختم کر کے واپس جرمنی بھجوایا گیا۔

مقدمے کی کاروائی ایک کتاب Holocaust Trial میں دیکھی جاسکتی ہے جرمنی کا ایک مشہور آدمی Echman جو کہ یہودیوں کے قتل عام میں ملوث تھا۔ جنگ عظیم دوئم ختم ہونے کے بعد بھاگ کر ارجنٹائن میں پناہ گزین ہوا۔ ہر دی اس کو اغوا کر کے اسرائیل لائے اور پھانسی دے کر اس کی راکھ بحیرہ روم میں بکھیر دی۔ جب آخری خواہش پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں پھر وہی کروں گا جو پہلے کیا اور مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ ایک مصری ایٹمی سائنسدان کو پیرس کے ایک

ہوٹل میں قتل کرایا گیا کیونکہ وہ عراق کے ایٹمی پروگرام میں مدد دے رہا تھا۔غرضیکہ دنیا میں کسی جگہ کوئی پولیٹیکل قتل ہو یا جنگ۔حکومت کا تختہ الٹنا ہو یا نسلی فساد ہر جگہ یہودی سرمایہ لگا نظر آئے گا۔ورلڈ بنک اور IMF کیا ہیں یہ دنیا کو اقتصادی طور پر شکنجے میں کسنے کے پروگرام ہیں۔دوست ممالک کی خفیہ معلومات ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے رمضان مبارک میں جو جنگ،اسرائیل اور مصری فوجوں کے درمیان لڑی گئی تھی اسرائیل کے پاس 105mm توپ کے گولے جب ختم ہونے لگے تو امریکہ سے مانگے جواب آیا کہ نہیں ہیں۔اسرائیل نے کہا کہ جزیزہ ہوائی کے فلانے ایمونیشن ڈپو میں ہیں۔دیکھیں کہ پنٹاگون کو خبر نہیں تھی اسرائیل کو خبر ہے۔اسی لڑائی کے دوران امریکن جاسوسی جہاز جو کہ بحیرہ روم میں گشت کر رہا تھا جس کا نام S.S.Liberty ہے دن دہاڑے اسرائیل کے ہوائی جہازوں نے اس پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں ۳۴ امریکن ملاح مارے گئی اور ۱۷۱ زخمی ہوئے پال فنڈلے جو کہ ۲۲ سال تک سینیٹر رہے جب اس نے یہودیوں کے خلاف ایک کتاب لکھی۔جس کا نام ہے They Dare to Speak Out تو اس کو یہودیوں نے الیکشن میں ہرادیا۔اس نے دوسری کتاب لکھی جس میں یہودی کارنامے زیادہ تفصیل سے درج ہیں۔پرل ہارب پر حملہ بھی ایک سازش کے تحت کرایا گیا تھا تاکہ امریکہ جنگ میں کود پڑے اور اسلحہ ساز فیکٹریوں کے وارے نیارے ہوں اور یہودی مزے لوٹیں۔صدر روز ویلٹ کو حملہ کی باقاعدہ خبر تھی مگر رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے یہ بحری نقصان اٹھانا پڑا۔یہودی قوم نہایت چالاک اور منظم ہے۔پروٹوکول کے مطابق دوسری قوموں کے مذہب کو تباہ کرو اخلاق کو قوموں سے دور کرو ہر وہ حربہ یہ قوم جائز سمجھتی ہے جس سے یہودیوں کو فائدہ ہو۔یہ حربے یورپ میں استعمال کرنے کے بعد اب ان کا رخ امریکہ کی تباہی کی طرف ہے جہاں انہوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنے خونی پنجے گاڑ رکھے ہیں۔امریکن قوم کو ہوش ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔قصہ ۹/۱۱ اس کی تازہ مثال ہے اس دن کوئی ۵ ہزار یہودی اس جگہ کام پر ہی نہیں گئے۔

یورپ میں یہودی کارنامے

۱۷۷۶ء میں پروفیسر آدم ولیشاپٹ نے Illumunati سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔جس کا کام تھا کہ قوموں کو مختلف فرقوں اور حصوں میں بانٹ کر کمزور کرو کیونکہ یہ قومیں یہودیوں کی نظر میں انسانی

جانور ہیں جس کو یہ Goyim کہتے ہیں غرضیکہ سوائے یہودی قوم کے دوسرے سب انسان ان کی نظر میں جانور ہیں اور یہ اللہ کی چنی ہوئی چہیتی قوم ہے۔ اس سوسائٹی کا کمال دیکھیں کہ امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر اس کا Insignia ہے۔ اس سوسائٹی نے سارے یورپ میں پنجے گاڑے ہر غیر اخلاقی طریقہ سے قوموں کے اخلاق کو بگاڑا۔ آخر کار تنگ آ کر یورپ سے نکالے گئے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۲۹۰ء میں کنگ ریڈ ورڈ نے یہودیوں کو انگلینڈ سے نکالا

۱۳۰۶ء میں فرانس سے نکالے گئے۔ ۱۳۶۰ء میں ہنگری سے نکالے گئے

۱۳۷۰ میں بلجیم سے ۱۳۸۰ء میں سلوواکیا سے ۱۴۲۰ میں آسٹریا سے

۱۴۴۴ء میں ندرلینڈ سے ۱۴۹۲ء میں سپین سے نکالے گئے اس کے بعد ۱۴۹۵ میں لتھونیا سے

۱۴۹۸ میں پرتگال سے ۱۵۴۰ء میں اٹلی سے اور ۱۵۵۱ء میں یوپریا (جرمنی) سے نکالے گئے۔ ان جگہوں سے نکالے جانے کے بعد ان میں نفرت اور بدلہ لینے کا عزم اور بڑھا۔ انقلاب برطانیہ ۱۶۴۰۔۱۶۶۰ بھی اسی یہودی سازش سے برپا ہوا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ میں رونما ہوا۔ اس کے بعد یہودی قوم نے نپولین بونا پارٹ کو استعمال کیا تا کہ یورپ کے بہت سارے تاجدار گرائے جاسکیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ نپولین کا کیا حشر ہوا امریکہ جہاں یہودیوں نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں 4th جولائی ۱۷۷۶ میں امریکہ نے اپنی آزادی کا اعلان کیا اور جارج واشنگٹن صدر بنے جس کو امریکن بابائے قوم کہتے ہیں۔ فلد ڈلفپ نے ۱۷۸۷ء میں کہا کہ آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک قانون بنایا جائے تا کہ انٹرنیشنل بنک والے ہمیں Exploit نہ کرسکیں۔ ۱۷۹۰ء میں یہودیوں نے کوشش کی کہ امریکن بنک کو اپنے کنٹرول میں لے لیں اور کامیاب رہے۔ امریکہ میں جو سول لڑائی شمالی اور جنوبی ریاستوں کے درمیان لڑی گئی یہ سب انٹرنیشنل بینکرز کے کارنامے تھے۔ جنہوں نے دونوں طرف کو روپیہ پیسہ دیا کہ لڑو اور خوب لڑو تا کہ یہودی فائدہ اُٹھائیں۔ یہ پالیسی ہمیشہ سے کامیاب رہی۔ انھی لوگوں نے نپولین کو خوب پیسے دیئے تا کہ میکسیکو کو کنٹرول کر سکے۔ روس کے

زار نے جب انگلینڈ اور فرانس سے کہا کہ جنوبی امریکی ریاستوں کی مدد کرو اور خود بھی بحری جنگی جہاز سانی فرانسکو اور نیو یارک میں بھیجے۔روس کی اس حکمت عملی کو انٹرنیشنل بنکرز نے پسند نہیں کیا آخر کار زار روس کا تختہ انہوں نے الٹ دیا۔امریکہ کے ہر محب الوطن صدر نے کوشش کی کہ کسی طرح پنجہ یہود سے جان چھوٹے مگر بے سود۔اور آجکل تو امریکہ کا ہر ادارہ یہودیوں کے زیر اثر ہے۔بلکہ امریکی صدر تو بغیر ان کے ووٹ اور اثر سے بن ہی نہیں سکتا۔انٹرنیشنل بینکرز نے انقلاب روس برپا کیا۔پہلی جنگ عظیم انہی لوگوں کی کارستانیوں سے وجود میں آئی۔پھر جب معائدہ وسیلز عمل میں آیا تو جرمنی پر طرح طرح کی پابندیاں لگیں۔

مگر یہ یہودی تھے جنہوں نے خفیہ طور پر مدد کی اور جرمنی پھر ایک فوجی قوت بن کر ابھرا۔ جنگ عظیم دوئم کی تباہ کاریاں ابھی کل کی بات ہے۔دونوں طرف یہودی سرمایہ لگا اور خوب کمائی کی۔ پھر UNO وجود میں آئی جس کے کارنامے آپ کی نظروں کے سامنے ہیں۔جنگ کے بعد جو ملٹری عدالتیں قائم ہوئیں اور جرمنی کے چیدہ چیدہ لیڈر پھانسی چڑھے اس میں سو فیصد قوم یہود کا ہاتھ ہے یہودی سرمایہ کاروں نے ورلڈ بنک اور IMF کے ذریعے دنیا کی مختلف قوموں کو قرضوں میں جکڑ رکھا ہے۔حتیٰ کہ قرضدار قوم اپنی مرضی سے اپنا بجٹ بھی نہیں بنا سکتی۔انہوں نے امریکہ کو آگے لگایا ہوا ہے اور وہ کاڈ بوائے کی طرح نعرہ لگا کر جنگ میں کود پڑتا ہے۔امریکہ کی ہر پالیسی کے پیچھے یہودی ہاتھ کام کر رہا ہے۔یہ آہستہ آہستہ امریکہ کی کشتی میں سوراخ کر رہے ہیں۔جب ڈوب جائے گی تو پھر دوبارہ یورپ کا رخ کریں گے۔یہ قوم اپنے آپ کو مظلوم ثابت کر کے ایک ظالم بھیڑیا بن چکی ہے۔

پاکستان اور اسرائیل

پاکستان کے متعلق اسرائیل کے وزیراعظم بنگورین نے پیرس میں یہودیوں سے کہا تھا کہ پاکستان چونکہ نظریاتی ملک ہے اس لیے ہمارا دشمن نمبر ایک ہے۔بیگن جب اسرائیل کا وزیراعظم تھا۔مصر کے دورے کے دوران صدر سادات سے کہا کہ اگر اسرائیل سے تعلقات ٹھیک رکھنے ہیں تو مدرسوں میں جو قرآن بچوں کا پڑھایا جا رہا ہے اس میں سے اسرائیل کے خلاف جتنا مواد ہے اس کو نکال باہر کرو۔یہی درس آجکل امریکہ پاکستان کو دے رہا ہے کہ جہاد کے متعلق

مسلمانوں کو نہ پڑھایا جائے اسی لیے سورۃ توبہ نصاب سے نکالی گئی۔ آجکل سیکولر تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے پاکستان میں ایک یہودی تنظیم فری میسن کے نام سے قائم تھی یہ تنظیم قوم کے اخلاق کو بگاڑنے میں مصروف تھی۔ اس وقت ملٹری کے آفسرز کافی تعداد میں ممبر تھے۔ بھلا ہو مرحوم صدر محمد ایوب اور علماء کرام کا کہ اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اسی تنظیم نے ینگ ترک تنظیم کی ترکی میں بنیاد ڈالی اور آخر کار اتاترک نے خلافت کا خاتمہ کیا۔

عظیم تر اسرائیل کا خواب

اسرائیل اب امریکہ کی مدد سے اپنی حدود کے باہر پھیلنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ جس میں مصر، اردن، لبنان، شام، عراق اور سعودی عرب کا شمالی حصہ اور ترکی کا جنوبی حصہ شامل ہے۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ کے دروازے پر دنیا کا نقشہ ہے اس نقشے کو سانپ نے گھیرے میں لیا ہوا ہے کیونکہ یہودی علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ دنیا پر صرف اور صرف ایک حکمران ہو جو کہ صرف یہودیوں کا حق ہے۔ کیونکہ باقی قومیں انسان نما جانور ہیں۔ یہ ساری باتین عین پروٹوکول کے مطاق ہیں۔ جو کہ ۱۸۹۷ء میں لکھا گیا تھا اور دنیا کے بہترین یہودی کوئی تین سو کی تعداد میں اس میٹنگ میں شامل تھے جب کوئی مرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ہوسکتا ہے اب تعداد زیادہ ہوگئی ہو۔ پروٹوکول میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں افراتفری پھیلاؤ۔ بنک اور میڈیا پر قبضہ کرو۔ قوموں کو آپس میں لڑاؤ۔ قوم کے اخلاق کو تباہ کرو۔ قتل وغارت۔ لڑائی جھگڑے انڈسٹری کو تباہ کرو۔ نظام تعلیم کو تباہ کرو غرضیکہ کوئی ادارہ دنیا میں نہ بچے جو یہودی کے زیر اثر نہ ہو۔ جونہی کوئی قوم سر اٹھائے اس کا تختہ الٹ دو۔ یہ تھیں پروٹوکول کی چیدہ چیدہ باتیں۔ صدر بش کا New World Order بھی اسی پروٹوکول کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے آیا یہودی قوم دنیا میں ذلیل وخوار ہوگی یا پھر کوئی اور سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

جامعہ اسلامیہ میں
مطالعہ مذاہب لائبریری کا قیام

علماء اور مفکرین کے توجہ دلانے پر وقت کی اس شدید ضرورت کو
پورا کرنے کیلئے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یاد میں
مجوزہ "مطالعہ مذاہب لائبریری" فوری طور پر۔۔۔۔۔۔
مجاہدِ کبیر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے منسوب "قرآن ہال"
میں قائم کی گئی ہے، جس میں بالخصوص۔ مذاہبِ عالم پر تحقیقی کام
کرنے والے علماء، یونیورسٹیوں میں ایم فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے
سکالرز اور مکالمہ بین المذاہب کی تیاری کرنے والے حضرات کیلئے
کتب کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے
علمی و تحقیقی کام کرنے والے حضرات استفادہ کر سکتے ہیں

رابطہ: 0300.4731347-0300.7400678

Regd. No: C-P-L 216

MONTHLY

MUKALMA BAIN-UL-MAZAHIB

LAHORE, PAKISTAN. PH 37595311

مرکز تحقیقِ اسلامی پاکستان کے زیرِ اہتمام

فضلاءِ درسِ نظامی اور علماء و خطباء کیلئے

ترجمانِ اسلام حضرۃ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ

حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

امام اہلسنت حضرۃ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ

کے انداز میں دین اسلام اور مذہب اہل سنت والجماعت کے علمی دفاع، اسلام کے معاصر و منحرف مذاہب، باطل فرق اور الحادی تحریکوں کے علمی تجزیہ و تعاقب و مکالمہ بین المذاہب کی تربیت کیلئے

جامعہ اسلامیہ جی ٹی روڈ کامونکے میں

زیرِ نگرانی مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرؤف فاروقی صدر جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ

دار المبلغین

اعلانِ داخلہ

ایک سالہ کورس کیلئے درخواستیں 25 رمضان تک وصول کی جائیں گی

داخلے کیلئے میٹرک پاس کو ترجیح ہوگی

دورانیہ

25 شوال سے 25 رجب تک

خصوصیات

علماء کرام اور مذاہب و مسالک کے ماہر اساتذہ کے اسباق، جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کی تربیت، مباحثہ، مناظرہ، خطابت اور تجزیہ کی مشق

منجانب

مرکز تحقیقِ اسلامی جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ کامونکے ضلع گوجرانوالہ پاکستان

0300.4731347

0300.7400678